رسائل و مسائل

ایک حدیث پر اعتراض اور اس کا جواب

(از ملک غلام علی صاحب)

سوال - بخاری شریف کا مطالعہ کرتے ہوئے کتاب الطلاق میں ایک حدیث اپنی کم علمی کی وجہ سے سمجھ نہ سکا اس لیے دلی تسلی کے لیے آپ سے رجوع ضروری سمجھا۔ اُمید ہے اپنی مصروفیت کے باوجود جواب سے مستفید فرمائیں گے۔ حدیث کتاب الطلاق میں ہے۔ باب کا عنوان ہے "جو شخص کسی سبب سے طلاق دے تو جائز ہے۔ اور کیا مرد کو طلاق دیتے وقت عورت کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے۔" حدیث کا نمبر ۲۰۴ ہے جو نور محمد اصح المطابع کراچی کی مترجمہ صحیح بخاری سے لیا گیا ہے۔ حدیث کے راوی ابواسیدؓ ہیں۔ اس حدیث نبوی میں نبی اکرم صلعم جونیہ نامی عورت سے اکیلے باغ میں ملے جہاں جونیہ نے نبی اکرم صلعم پر بہت بُرے الفاظ استعمال کیے اور اس سے قبل نبی اکرمؐ نے اس سے فرمایا ھبی لی نفسکِ۔ براہِ کرم اس حدیثِ پاک کے متعلق مندرجۂ ذیل سوالات جو میرے ذہن میں پیدا ہوئے ہیں ان کی تشریح اچھی طرح سمجھا کر کر دیں۔

۱- نبی اکرمؐ جونیہ کے پاس باغ میں کس مقصد کے لیے تشریف لے گئے تھے اور کیوں؟

۲- پہلے آپؐ دو صحابہ کے ساتھ تھے بعد ازاں عورت کے پاس اکیلے گئے۔ آخر کیوں؟

۳- حضور اکرمؐ نے عورت سے کہا تو مجھے اپنا نفس دے دے تو اس بات کی کیا توجیہ کی جا سکتی ہے؟

۴۔ جونیہ نے کہا کہ کیا "ملکہ بھی بازاری لوگوں کو اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟" (یعنی نہیں کر سکتی)۔ آخر یہ کلام اس نے کیوں کیا؟

۵۔ کیا نبی اکرمؐ سے اس نے اس طرح انہی الفاظ سے خطاب کیا؟ نبی اکرمؐ سے اس طرح بولنا تو انتہائی نازیبا حرکت ہے۔ اس قسم کی حدیث کو بخاری صاحبؒ نے اپنی کتاب میں لکھا ہے۔ کیا یہ حدیث نبی اکرمؐ کی شان میں ایک گستاخی نہیں؟

۶۔ اگر جونیہ آپؐ کی منکوحہ ہوتی تو آپؐ اکیلے باغ میں نہ جاتے، وہ آپ سے ان الفاظ سے خطاب نہ کرتی، اور آپ اس کی تسلی اور تسکین کی خاطر اس پر ہاتھ نہ رکھتے۔ آخر اس حدیث کی کیا تشریح ہے؟

۷۔ خدا سے پناہ مانگنے پر نبی اکرمؐ نے جونیہ کو پناہ دے دی اور امان دے دی۔ آخر اس کا کیا مقصد ہے؟

۸۔ حدیث پاک کے آخر میں ہے کہ آپؐ نے اسے (جونیہ کو) سامان دے کر اور دو سفید کپڑے دے کر روانہ کر دیا اس سے کیا مطلب؟

۹۔ حدیث پاک کی تشریح کرتے ہوئے صاحب مترجم نے لکھا ہے کہ جونیہ حضور اکرمؐ کی منکوحہ تھی، لیکن اس کے ولی نے نکاح کیا تھا۔ جونیہ کو نکاح کا علم نہیں تھا کیا ایسا ممکن ہو سکتا ہے؟ اس پر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر جونیہ منکوحہ ہوتی تو آپؐ اسے اپنے حرم میں ہی لے آتے۔ باغ میں جانے کا کیا مقصد؟ اور اس سے اپنا نفس کیوں مانگتے؟ اس کے علاوہ تشریح فرما دیں کہ حضورؐ کا نکاح جونیہ کے ساتھ کس موقع پر ہوا؟ کون کون لوگ موقع کے گواہ تھے؟

آخری بات یہ ہے کہ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو اپنی کتاب میں کیوں جمع کیا؟ اس سے امت کو کیا فائدہ پہنچانا تھا؟

مَیں امید رکھتا ہوں کہ اس حدیث پاک کے ہر پہلو پر تشفی فرما دیں گے تاکہ وہ حضرات

جو اس حدیث سے نکتے نکالتے ہیں ان کو مسکت جواب دے سکوں۔

جواب - بخاری کی جس حدیث کا حوالہ آپ نے اپنے خط میں دیا ہے، اس میں کوئی بات قابلِ تعجب یا باعثِ اعتراض نہیں ہے۔ بات صرف اتنی ہے کہ جس عورت کا ذکر اس حدیث میں ہے، اس نے اور اس کے والد نے نیا نیا اسلام قبول کیا تھا۔ اس کے والد کی خواہش پر نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس سے نکاح کیا۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس عورت نے اپنے والد کی خواہش کا پاس کرتے ہوئے نکاح تو قبول کر لیا لیکن وہ اسے پسند نہیں کرتی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم اس کے پاس جب خلوت میں گئے تو اس بدنصیب عورت نے ایسا طرزِ عمل اور طرزِ تکلّم اختیار کیا جس سے یہ واضح ہو گیا کہ وہ آپ کی قیدِ نکاح میں رہنا نہیں چاہتی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو جب حقیقتِ حال کا اندازہ ہو گیا تو آپ نے اسے بلا تاخیر نکاح سے خارج کر کے اور کچھ دے دلا کر رخصت کر دیا۔ بس یہ مختصراً اس واقعہ کی حقیقت ہے جس پر آپ نے سوالات کی یہ طویل فہرست مرتب کر کے بھیجی ہے۔

آپ نے بخاری کا جو ترجمہ پڑھا ہے، اگر اس کے حاشیے میں یہ لکھا ہے کہ جَونِیَّہ کا نکاح اس کے والد نے اس کے علم و اذن کے بغیر کیا تھا تو یہ بات غلط ہے، کیونکہ بالغہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ صحیح صورتِ حال وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی ہے۔ یہ خیال بھی غلط ہے کہ آنحضورؐ اس عورت کے پاس نکاح سے پہلے تشریف لے گئے۔ آپ نے جس حدیث پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر لی ہے اگر اس سے پہلے اور بعد کی احادیث بھی آپ پڑھ لیتے تو غالباً اتنے سوالات آپ کے ذہن میں پیدا نہ ہوتے۔ پہلے کی حدیث میں یہ ذکر ہے کہ "ازواج النبیؐ میں سے ایک (یعنی جَون کی لڑکی) کے پاس جب آنحضورؐ گئے تو اس نے اللہ کی پناہ مانگی"۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ اس کے ازواج میں شامل ہونے کے بعد پیش آیا۔ پھر آپ کی نقل کردہ حدیث کے بعد والی حدیث میں بھی یہ تصریح ہے کہ "نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے اُمَیْمَہ بنت شراحیل سے نکاح کیا، پھر جب اس سے خلوت ہوئی ۔۔۔"۔ اُمیمہ دراصل اسی عورت کا نام ہے جسے دوسری احادیث میں جَونِیہ یا ابنۃ الجَون

(جون کی لڑکی) وغیرہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ بنو جون اُس قبیلے کا نام ہے جس سے یہ عورت تعلق رکھتی تھی۔

اس تشریح سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تنہا جس گھر یا باغ میں جانے کا ذکر ہے، وہ گھر اسی عورت کی جائے قیام تھا جس کا عقد آنحضورؐ سے ہو چکا تھا۔ اس کے بعد آپ کے یہ سارے سوالات غیر ضروری ہو جاتے ہیں کہ یہ باغ کیسا تھا۔ وہاں آنحضورؐ کے اکیلے جانے اور اس عورت سے ایسی بات کرنے کا کیا مقصد تھا؟ ایک خاوند اپنی بیوی کے پاس جا سکتا ہے اور اس سے ہر طرح کی بات کر سکتا ہے۔

باقی رہا آپ کا یہ سوال کہ عورت نے جواب میں یہ کیوں کہا کہ "ایک ملکہ بازاری لوگوں کے سپرد اپنے آپ کو کیسے کر سکتی ہے"؟ تو اس کا سیدھا صاف جواب یہ ہے کہ جو بدبخت انسان ایک نبی کی حقیقی قدر و منزلت سے ناآشنا ہو وہ اگر نبی کو کاہن، کاذب، مجنون، ساحر، شاعر سب کچھ کہہ سکتا ہے تو آخر "بازاری" ہی کیوں نہیں کہہ سکتا۔ منافقین اپنے آپ کو "معزّزین" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مخلصین کو ذلیل کہتے تھے۔ اس طرح کی بکواس کوئی اچنبھے کی بات نہیں اور نہ اس سے نبی کی شان میں کمی واقع ہوتی ہے۔ یہاں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اس عورت نے جو لفظ استعمال کیا تھا وہ "سُوقہ" تھا۔ اس کا ترجمہ بازاری کرنا صحیح نہیں، کیونکہ بازاری کے لفظ میں جو ابتذال پایا جاتا ہے، سُوقہ کے لفظ میں وہ نہیں پایا جاتا۔ عربی میں سُوقہ سے مراد "عامی" ہے جسے انگریزی میں (COMMONER) کہتے ہیں۔

آخری سوال آپ کا یہ ہے کہ امام بخاری نے اس حدیث کو کیوں بیان کیا اور اس سے ہمیں کیا فائدہ پہنچا؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ نبی کی ذات ہمارے لیے اسوۂ حسنہ ہے اور خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام اور بعد کے لوگوں کو یہ تعلیم دی ہے کہ وہ آپ کے ہر قول و فعل سے ہدایت اخذ کریں اور اسے دوسروں تک پہنچائیں۔ آپ نے اس معاملے میں اتنے ایثار سے کام لیا کہ اپنی خانگی زندگی کے تعلقات اور زن و شو کے معاملات کو بھی مخفی نہیں رکھا اور صحابہ کے سامنے پیش

کر دیا۔ اور انہوں نے بھی ہر چیز کو بلا تامل، بلا خوف لومۃ لائم اسے آگے ہم تک پہنچا دیا۔ اگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کرام اس بات کے خواہش مند ہوتے کہ آپ کی ایک مصنوعی اور ادھوری تصویر دوسروں کے سامنے آئے تو شاید اس طرح کی پرائیویٹ چیزیں منظرِ عام پر نہ آتیں لیکن یہ تو ان حضرات اور پھر تابعین و محدثین کی دیانت و امانت کا کمال ہے کہ انہوں نے ہر شے کو بلا کم و کاست بیان کر دیا ہے اور جو کچھ بیان ہوا ہے اس میں کوئی چیز بھی نبی کی شان کو گھٹانے والی نہیں ہے۔

آخر معترض یہ نہیں سوچتے کہ جس عورت کا نکاح اس کی اور اس کے ولی کی رضا سے منعقد ہو چکا ہو اور بعد میں وہ اسے ناپسند کرے اور شوہر کے منہ پر کہے کہ میں تمہیں اپنے سے کم تر درجے کا آدمی سمجھتی ہوں تو عام حالات میں ایک شوہر اس کا دماغ درست کرنے کے لیے اسے وظیفۂ زوجیت ادا کرنے پر مجبور کرے گا، زدوکوب کرے گا، یا اسے لٹکتا چھوڑ کر سبق دینے کی کوشش کرے گا تاکہ رانی مہارانی ہونے کا سودا اس کے سر سے اچھی طرح نکل جائے۔ مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے ساتھ یہ طرزِ عمل اختیار نہ فرمایا۔ آپؐ اس عورت کے خاوند ہی نہیں تھے بلکہ مدینے کی اسلامی ریاست کے فرمانروا بھی تھے۔ اس کے باوجود آپؐ نے اس عورت پر کوئی جبر اور کوئی زیادتی نہیں کی۔ بلکہ جب اس نے اپنی شقاوت و حماقت کی بنا پر حرمِ نبوی میں رہنا گوارا نہ کیا تو آپ نے فوراً اسے کنایہ کے الفاظ میں طلاق دے دی اور کچھ سر و سامان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ یہ ضبط و تحمل اور فیاضی تو ایک نبی ہی کو زیب دیتی ہے۔ تعجب ہے ان لوگوں پر جو اس پر اعتراض چھانٹنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پردے پر ایک خاتون کے اعتراضات اور ان کا جواب

(از ابو الاعلیٰ مودودی)

سوال: میں آپ کی کتاب رسالۂ دینیات کا انگریزی ترجمہ پڑھ رہی تھی۔ صفحہ ۱۸۲ تک

مجھے آپ کی تمام باتوں سے اتفاق تھا۔ اس صفحہ پر پہنچ کر میں نے آپ کی یہ عبارت دیکھی کر "اگر عورتیں ضرورتاً گھر سے باہر نکلیں تو سادہ کپڑے پہن کر اور جسم کو اچھی طرح ڈھانک کر نکلیں، چہرہ اور ہاتھ اگر کھولنے کی شدید ضرورت نہ ہو تو ان کو بھی چھپائیں"۔ اور اس کے بعد دوسرے ہی صفحہ پر یہ عبارت میری نظر سے گزری کہ "کوئی عورت چہرے اور ہاتھ کے سوا اپنے جسم کا کوئی حصہ (باستثنائے شوہر) کسی کے سامنے نہ کھولے خواہ وہ اس کا قریبی عزیز ہی کیوں نہ ہو"۔ مجھے اول تو آپ کی ان دونوں عبارتوں میں تضاد نظر آتا ہے۔ دوسرے آپ کا پہلا بیان میرے نزدیک قرآن کی سورۂ نور آیت ۲۴ کے خلاف ہے۔ اور اُس حدیث سے بھی مطابقت نہیں رکھتا جس میں نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت اسماءؓ سے فرمایا تھا کہ لڑکی جب بالغ ہو جائے تو اُس کے جسم کا کوئی حصہ ہاتھ اور منہ کے سوا نظر نہ آنا چاہیے۔

کتاب کے آخر میں آپ نے لکھا ہے کہ "شریعت کے قوانین کسی مخصوص قوم اور مخصوص زمانے کے رسم و رواج پر مبنی نہیں ہیں اور نہ کسی مخصوص قوم اور مخصوص زمانے کے لوگوں کے لیے ہیں"۔ مگر قرآن کو دیکھنے سے یہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ پردہ محض ایک رواجی چیز ہے اور اسے اسلام کی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیا آپ یہ مانیں گے کہ آپ نے اسلامی قانون کی غلط تعبیر کر کے بہت سے لوگوں کو اسلام سے برگشتہ کرنے کا سامان کیا ہے؟ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہمارا اسلام اس طرح پیش کیا جائے جس سے اِس زمانے کے نوجوان اس کو قبول کرنے سے بھاگیں۔ اسلام کی عائد کردہ قیود سے بڑھ کر اپنی طرف سے کچھ قیود عائد کرنے کا کسی کو کیا حق ہے؟

(یہ ایک مسلمان خاتون کے انگریزی خط کا ترجمہ ہے جو امریکہ سے آیا تھا)

جواب: میں آپ کی صاف گوئی کی قدر کرتا ہوں۔ مگر میرا خیال ہے کہ آپ نے پوری طرح میری بات کو نہیں سمجھا۔ صفحہ ۱۸۲ اور ۱۸۳ پر جو کچھ میں نے کہا ہے اس میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ عورت کے لیے شریعت کے احکام تین اجزاء پر مشتمل ہیں:

چہرے اور ہاتھ کے سوا جسم کے دوسرے حصوں کو شوہر کے سوا کسی کے سامنے عورت کو نہ کھولنا چاہیے، کیونکہ وہ "ستر" ہیں اور ستر صرف شوہر ہی کے سامنے کھولنا چاہیے۔

چہرہ اور ہاتھ ان تمام رشتہ داروں کے سامنے کھولے جاسکتے ہیں۔ اور عورت اپنی زینت کے ساتھ اُن تمام رشتہ داروں کے سامنے آسکتی ہے جن کا ذکر سورۃ نمبر ۲۴، آیت نمبر ۳۱ میں کیا گیا ہے۔

ان رشتہ داروں کے سوا عام اجنبی مردوں کے سامنے عورت کو اپنی زینت بھی چھپانی چاہیے جیسا کہ مذکورہ بالا آیت میں بیان کیا گیا ہے، اور اپنے چہرے کو بھی چھپانا چاہیے جیسا کہ سورۃ نمبر ۳۳ آیات ۵۳ تا ۵۵ اور آیت ۵۹ میں بیان کیا گیا ہے۔

انگریزی مترجمین ان آیات کا ترجمہ کرنے میں بالعموم گھپلا کر دیتے ہیں، لیکن اگر آپ عربی جانتی ہیں تو آپ کو خود یہ آیات اصل عربی میں دیکھنی چاہییں۔ ان کو پڑھنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ قرآن مجید، شوہر، رشتہ داروں اور اجنبی مردوں کے بارے میں عورتوں کے لیے الگ الگ حدود مقرر کرتا ہے، اور اجنبی مردوں سے ان کو پورا پردہ کرنے کا حکم دیتا ہے۔

آپ کا یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ پردہ محض لوگوں کی "رسم" پر مبنی ہے۔ قرآن کے آنے سے پہلے اہلِ عرب حجاب (پردے) کے تصور سے قطعی ناآشنا تھے۔ یہ قاعدہ سب سے پہلے قرآن ہی نے ان کے لیے مقرر کیا۔ اور بعد میں صرف مسلمانوں ہی کے اندر پردے کا رواج رہا۔ دنیا کی کوئی دوسری قوم اس کی پابند نہ تھی، نہ ہے۔ آخر آپ کے نزدیک وہ کس کی "رسم" ہے جو پردے کی صورت میں مسلمانوں کے اندر رائج ہوئی؟

آپ کا یہ خیال ٹھیک ہے کہ بے جا قیود کسی کو اپنی طرف سے بڑھانے کا حق نہیں ہے۔ مگر جو قیود قرآن اور حدیث سے ثابت ہیں، کسی مسلمان کو ماڈرنزم میں مبتلا ہو کر انہیں توڑنے کی فکر نہ کرنی چاہیے مجھے نہیں معلوم کہ آپ اردو جانتی ہیں یا نہیں اگر اردو کتابیں پڑھ سکتی ہوں تو میری کتاب پردہ، تفسیر سورۂ نور اور تفسیر سورۂ احزاب مطالعہ فرمائیں۔ ان سے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ پردے کے احکام قرآن کی کن آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کن احادیث پر مبنی ہیں، اور آپ یہ بھی جان لیں گی

کہ یہ قیود آیا بعد کے لوگوں نے بڑھا دی ہیں یا اللہ اور اس کے رسولؐ ہی نے ان کو عائد کیا ہے۔

غیر اسلامی دیار میں تبلیغِ اسلام

سوال: "کچھ عرصہ سے امریکہ میں آکر مقیم ہوں۔ یہاں کے لوگوں سے دینی و اجتماعی موضوعات پر تبادلۂ خیالات کا موقع ملتا رہتا ہے۔ اللہ نے جتنی کچھ سمجھ بوجھ دی ہے اور آپ کی تصانیف اور دوسرے مذہبی لٹریچر سے دین کا جتنا کچھ فہم و شعور پیدا ہوا ہے، اس کے مطابق اسلام کی ترجمانی کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر یہاں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ لوگ بظاہر مادی آسائشوں پر مطمئن ہیں اور انہی سے مزید اطمینان حاصل کرنے میں کوشاں ہیں۔ ان لوگوں کے مسائل اور دلچسپی کے موضوع ہمارے موضوعات سے مختلف نظر آتے ہیں۔ ان لوگوں کی گمراہیوں کی نوعیت و کیفیت بھی اپنے ہاں کی گمراہیوں سے الگ اور شدید تر ہے۔ جس طرزِ استدلال سے ہم مسلمان معاشرے کے بھٹکے ہوئے افراد کو راہِ راست کی طرف بلا سکتے ہیں اور انہیں اسلام کے اصولوں کا قائل بنا سکتے ہیں، وہ طرزِ استدلال یہاں شاید کارگر نہ ہو۔

میں چاہتا ہوں کہ آپ یہاں کے ماحول اور ذہنیت کو سامنے رکھ کر تبلیغ و تلقین کا اصول اور طریقِ کار واضح کریں اور مجھے سمجھائیں کہ یہاں لوگوں کو ان کے فکر و عمل کی گمراہی اور ضرر رسانی کا احساس کس طرح دلایا جا سکتا ہے اور انہیں آمادۂ اصلاح کرنے کی کیا تدابیر ہو سکتی ہیں۔ یہاں کسی بڑی تعداد کو اسلام کی جانب مائل کرنا اور دائرۂ اسلام میں داخل کرنا تو مشکل نظر آتا ہے۔ بس یہ معلوم ہونا چاہیے کہ آغازِ کار میں کیا طریقہ کار اختیار کرنا مناسب ہوگا؟"

جواب: امریکہ میں آپ کو جس مسئلے سے سابقہ درپیش ہے وہ درحقیقت نیا نہیں ہے بلکہ

اس طرح کی مادہ پرست سوسائٹی جہاں بھی پائی گئی ہے وہاں قریب قریب ایسی ہی دشواریوں سے دعوتِ حق کو سابقہ پیش آیا ہے۔ تفہیم القرآن میں مکی سورتوں کو آپ غور سے پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قریش کی ذہنیت بھی ایسی ہی تھی۔ اس ذہنیت کے لوگوں کو جھنجھوڑنے اور ان کو حقائق کی طرف توجہ دلانے کے لیے قرآن مجید میں جو طرزِ دعوت اختیار کیا گیا ہے اس کو آپ اچھی طرح غور سے دیکھ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو ہر ایسی سوسائٹی میں دعوت کا ڈھنگ آپ کو آجائے گا۔ اس ڈھنگ پر دعوت دینے کے لیے یہ ضروری ہے کہ جس معاشرے میں آپ کام کر رہے ہیں اس کی بنیادی خرابیوں کے متعلق آپ کے پاس مفصل معلومات ہوں، اور ان خرابیوں سے جو نتائج برآمد ہو رہے ہیں ان کے متعلق بھی آپ زیادہ سے زیادہ صحیح، مستند اور مفصل معلومات حاصل کریں۔ امریکہ کے بارے میں ایسی معلومات آپ کو بڑی آسانی سے حاصل ہو سکتی ہیں۔ جرائم کی روز افزوں ترقی، جرائم کے سائنٹفک اور منظم طریقے اور ان کی پشت پر اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کی ذہانت کا کارفرما ہونا، ۲۰ سال سے کم عمر کے لڑکوں اور لڑکیوں میں ایک طرف جرائم اور دوسری طرف غیر معمولی اور غیر معتدل شہوانیت (ABNORMAL SEXUALITY) کا روز افزوں ہونا، طلاق کی کثرت اور خانگی زندگی کا نظام درہم برہم ہونا، ایک طرف انتہائی دولت اور دوسری طرف انتہائی غربت کا پایا جانا اور اپنے ہی معاشرے کے افراد نہیں بلکہ اپنے رشتہ داروں اور خود اپنے بوڑھے ماں باپ تک سے لوگوں کا بے اعتنائی برتنا، اور اس کے ساتھ بین الاقوامی دنیا میں وہ سفاکی جو ویٹ نام میں برتی جا رہی ہے اور وہ خود غرضانہ ظلم جو فلسطین میں اسرائیل کو زبردستی قائم کر کے کیا گیا، یہ وہ چیزیں ہیں جن کی طرف توجہ دلا کر آپ امریکی سوسائٹی کے ایسے افراد کو اپنی مادہ پرستانہ تہذیب کے بنیادی نقائص کا احساس دلا سکتے ہیں جن کے ضمیر میں ابھی تک کچھ زندگی باقی ہو۔ اس طرح کے مواد سے کام لے کر تنقید بھی اسی انداز میں کیجیے جو قرآن میں اختیار کیا گیا ہے اور بنیادی اصلاح کی طرف دعوت بھی قرآنی انداز میں اور قرآنی استدلال کے طرز پر دیجیے۔

امریکہ والوں کی دوسری گمراہی عیسائیت ہے اور اس پر تنقید کرنے کے لیے آپ کو پورا مواد تفہیم القرآن کے ذریعہ سے مل سکتا ہے۔ چاروں جلدوں کے انڈکس بغور دیکھ کر آپ مواد جمع کر سکتے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ آپ کو عیسائیت کا کم از کم ضروری مطالعہ کرنا ہوگا تاکہ آپ ناواقف کی طرح نہیں بلکہ ایک واقف کار آدمی کی طرح بول سکیں۔ مزید براں آپ یہ بات بھی لوگوں کے ذہن نشین کیجیے کہ خدا کی طرف سے جو اصل دین نوعِ انسانی کی ہدایت کے لیے ابتدا سے تمام انبیاء لاتے رہے ہیں وہ کیا تھا۔ اور بعد میں عیسائیت، یہودیت، اور دوسرے مذاہب اُسی حقیقی دین کو بگاڑ کر کیسے بنا دیئے گئے ہیں۔ اس کے متعلق آپ کو مفصل معلومات تفہیم القرآن کے ذریعہ سے مل جائیں گی۔ انڈکس میں "نبوت" کا عنوان نکال کر دیکھ لیں۔ اس طریقہ سے آپ لوگوں کو یہ سمجھا سکیں گے کہ ہم دراصل آپ کا مذہب تبدیل کرنے کے بجائے آپ کو اُس دین کی طرف بلا رہے ہیں جو خود حضرت عیسیٰ اور موسیٰ اور ابراہیم علیہم السلام کا دین تھا۔ ان کو بتایئے کہ اسلام صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دین نہیں ہے بلکہ تمام انبیاء اور تمام کتبِ آسمانی کا دین ہے اور ایک مسلمان ان میں سے کسی کا بھی انکار نہیں کرتا بلکہ سب کو مانتا ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رکھیے کہ اس طرح کی سوسائٹی میں وسیع پیمانے پر تبدیلیِ مذہب (CONVERSION) نہیں ہوا کرتی۔ داعی کو اگرچہ سینکڑوں آدمیوں تک پہنچنا ہوتا ہے، مگر ابتداً مشکل سے ایک دو آدمی حق کو قبول کرتے ہیں۔ آپ جن لوگوں سے بھی بات کریں ان میں کسی ایک ایسے آدمی کو تلاش کیجیے جس میں قبولِ حق کی صلاحیت ہو اور جو حق و باطل کے معاملہ میں سنجیدہ فکر و نظر کا حامل ہو۔ ایسا آدمی جب مل جائے تو پہلے اسی پر زیادہ محنت صرف کیجیے یہاں تک کہ وہ آپ کا پورا مددگار بن جائے۔ پھر وہی مزید آدمیوں کی اصلاح کا ذریعہ بن سکے گا۔ مگر کسی ایسے شخص کے قبولِ اسلام پر اعتماد نہ کیجیے جس کے جذبات، اقدار، طرزِ فکر اور طرزِ زندگی میں بنیادی تبدیلی رونما نہ ہو۔ اسلام کے کسی ایک پہلو کو دیکھ کر جو اہلِ مغرب مسلمان ہو جاتے ہیں، مگر مسلمان ہو کر بھی وہی کچھ رہتے ہیں جو قبولِ اسلام سے پہلے وہ تھے، وہ درحقیقت کسی کام کے لوگ نہیں ہیں بلکہ ان کا مسلمان ہونا بجائے خود ایک فتنہ ہے۔